کلیاتِ عرفی شیرازی پر ایک تحقیقی نظر

ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب انصاری
بی اے، آنرس ایل ایل بی ایم اے پی ایچ ڈی لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی

ہندوستان میں فارسی ادب اور شاعری کو ترکوں کے اس ملک پر حملہ آور ہونے کے بعد ہی مقبولیت حاصل ہونا شروع ہو گئی تھی، چنانچہ عہدِ غزنوی ہی میں سلطان ابراہیم غزنوی (متوفی ۱۰۹۹ء) کے زمانہ میں سرزمین پنجاب میں فارسی کے دو نامور شاعر پیدا ہوئے جن کا شمار نہ صرف اس عہد کے چوٹی کے شاعروں میں ہوتا تھا بلکہ جن کو آج تک فارسی زبان کے صفِ اول کے شعراء میں گنا جاتا ہے، ان میں اولین مسعود سعد سلمان (متوفی ۵۱۵ھ مطابق ۱۱۲۱ء) تھا جو لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ اور سلاطینِ غزنوی کے دربار سے تعلق رکھتا تھا اگرچہ انھیں کے حکم سے اسے اپنی زندگی کا کافی حصہ قیدخانہ میں گزارنا پڑا، جہاں اس نے اپنی وہ نظمیں لکھیں جو آج تک حبسیات کے نام سے مشہور ہیں۔ مسعود سعد سلمان کا معاصر جس نے ہندوستان کی فضا میں آنکھ کھولی ابوالفرج رونی تھا جو جالندھر کے نواح میں قصبہ رون میں پیدا ہوا تھا۔ اور آج تک فارسی کے مایۂ ناز شعراء میں شمار کیا جاتا ہے، غزنوی عہد کے بعد بھی ہندوستان میں عالی مرتبہ فارسی گو شاعر پیدا ہوتے رہے چنانچہ غلام خاندان کے دورِ حکومت میں حسن دہلوی اور امیر خسرو ایسے ذی مرتبہ فارسی گو شاعر سرزمینِ ہند سے پیدا ہوئے لیکن اس عہد کے ہندوستان کے فارسی گو شعراء کے کلام کا رنگ، اس زمانہ کے ایران اور خصوصاً خراسان کے شعرائے متقدمین کے کلام کے رنگ سے مختلف ہونے لگا اور ایک خاص طرز جس میں معنی آفرینی، نازک خیالی، باریک بینی اور دقیق نظری پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، ہندوستان میں روز بروز مقبول ہوتا گیا یہاں تک کہ اس سبکِ خاص کا نام ہی سبکِ ہندی پڑ گیا، اس رنگ کو عہدِ تیموری و صفوی میں نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ایران اور ترکی میں بھی بہت مقبولیت حاصل تھی اور عہدِ اکبری میں

جب ہندوستان میں نہ صرف دربارِ شاہی بلکہ امراء کے دربار بھی شاعروں کا ملجا و ماویٰ بنے ہوئے تھے، یہ طرزِ خاص اپنے انتہائی عروج پر پہونچ گیا تھا۔

اس سبکِ ہندی کو اس کی انتہائی بلندی پر پہونچانے کا سہرا عرفی شیرازی (متوفی سنہ ۹۹۹ھ) اور فیضی اکبرآبادی (متوفی سنہ ۱۰۰۴ھ) کے سر ہے لیکن خیال یہ کیا جاتا ہے کہ ان دونوں زبردست شعراء میں "مخترعِ طرزِ تازہ" ہونے کا شرف عرفی شیرازی کو حاصل تھا جیسا کہ عبدالباقی نہاوندی اپنی مشہور تصنیف مآثرِ رحیمی میں عرفی شیرازی کے ذکر میں رقمطراز ہے کہ[1]: "مخترعِ طرزِ تازہ ایست کہ الحال درمیانہ مردم معتبر است و مستعدان و سخن سنجان و نکتہ شناسان پسندیدہ و معقول دانستہ تتبع او نمایند....."

عرفی کے اس نئے ایجاد کردہ طرز کی پیروی صرف شعراء ہندوستان یا ان شعراء ایران تک جو ہندوستان کے مختلف درباروں سے منسلک تھے محدود نہ رہی بلکہ اس کی شاعری نے ترکی تک کے فارسی گو اور خود ترکی زبان میں شعر کہنے والے شاعروں پر بھی دیرپا اثرات چھوڑے، چنانچہ فاضل مستشرق E.J.W.GIBB اپنی مشہور تصنیف تاریخ نظم عثمانی (HISTORY OF OTTOMAN POETRY) میں عرفی کے متعلق رقمطراز ہے[2] کہ اسے (عرفی کو) جلد ہی فارسی زبان کے ہم عصر شعراء نے استاد کا مرتبہ دے دیا اور رفتہ رفتہ اس کا طرزِ سخن ترکی میں مقبول ہونے لگا۔ اس کی پیروی کی جانے لگی، اس عہد میں جبکہ علی شیر نوائی، جامی اور دیگر اساتذہ کے اثرات ختم ہو چکے تھے، عرفی اور اس کے ساتھ ساتھ فیضی (جو کہ اپنی طرزِ شاعری سے زیادہ اپنے فلسفیانہ خیالات سے متاثر کرتا تھا) کے اثرات باہری دنیا سے ترکی شاعری پر اثرانداز ہونے والے عناصر میں سب سے اہم تھے۔

("HE WAS REEOGNISED AS A MASTER BY THE CONTEMPORARY PERS≠AN POETS, AND, AS A MATTER OF COURSE, HIS WORKS WERE FORTHWITH STUDIED AND IMITATED IN TURKEY. HIS INFLUEUEE TOGETHER WITH THAT OF THE INDIAN FAYZI, WHO HOWEWR, EFFECTED MORE BY HIS PHILOSAPHICAL TORE OF HIS WRITINGS THAN HIS STYLE, FORMS THE MOST POTENT FOREIGN ELEMENTS IN MOULDING THE OTTOMAN POETRY OF THIS PERIOD, WHEN THE SUPREMACY OF ALI SHER, JAMI AND THE EARLIER MASTERS HAD ALMOST ENTIRELY PASSED AWAY.....")

۱؎ مآثر رحیمی، جلد سوم (مطبوعہ کلکتہ در سنہ ۱۹۲۶ء) صفحہ ۲۹۳۔

۲؎ تاریخ نظم عثمانی، جلد سوم (مطبوعہ سنہ ۱۹۰۲ء) باب نہم، صفحات ۲۷۴ و ۲۷۵۔

(HISTORY OF OTTOMAN POETRY, VOL. III, CHAPTER IX, PP. 274-275)

عرفی نے کل چھتیس [۳۶] سال عمر پائی، لیکن اس مختصر سی عمر میں اس نے ایسے جواہرات دنیا کے سامنے پیش کیے جن کی مثل فارسی ادب میں (یا کم از کم فارسی قصیدہ میں) نہ تو اس سے قبل تھے اور نہ اس کے بعد ہو سکے، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ نہ صرف یہ کہ قبل از وقت موت نے اس کے "غنچۂ استعداد" کو پوری طرح نہ کھلنے دیا بلکہ دستبردِ زمانہ سے اس کا کلامِ گفتہ بھی محفوظ نہ رہ سکا اور اس کے چھ ہزار اشعار کا ایک دیوان اس کی حیات ہی میں ضائع ہو گیا جس کی طرف اس نے اپنے حسب ذیل اشعار میں اشارہ کیا ہے:-[۳]

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام	عمر در باختہ را بارِ دگر باختہ ام
العطش می زند از تشنہ لبی ہر مویم	کہ قدحہائے پر از خونِ جگر باختہ ام
شاید ار تلخ کشم نالہ ز حرمانِ سخن	طوطیِ گرسنہ ام تنگ شکر باختہ ام
ساقی مصطبہ نطقم و مے ریختہ ام	طائرِ باغچہ قدسم و پر باختہ ام
وصد شرع ہنر چون نشود محو کہ من	شش ہزار آیتِ احکامِ ہنر باختہ ام
صد مصیبت کدہ در ہر سخنم مدغم بود	گریہ و نالۂ صد شام و سحر باختہ ام
گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست	از دو صد گنج یکے مشت، گہر باختہ ام

عرفی کے اس دیوان کے ضائع ہونے کی تصدیق اس کے معاصر تذکرہ نگاروں نے بھی کی ہے جیسا کہ عبدالباقی نہاوندی اپنے تصنیف کردہ دیباچہ کلیاتِ عرفی میں جسے اس نے عرفی کے دیوان کی ترتیب کے وقت عبدالرحیم خان خاناں کے حکم کی تعمیل میں لکھا تھا، رقمطراز[۴] ہے کہ:

"...... و قریب شش ہزار بیت ابیات آبدار ایشاں بہ سببے کہ بر راقم ظاہر نیست مہجور و ابتر شد ...."

یا عبدالنبی فخر الزمانی اپنے تذکرہ میخانہ میں لکھتا ہے[۵] کہ:

"...... شش ہزار بیت دیگر از ابیات مرغوب عرفی در آب افتاد ...."

---

[۳] کلیاتِ عرفی شیرازی (مرتبہ غلام حسین جواہری و مطبوعہ چاپ خانہ محمد علی علمی، ایران) صفحہ ۴۱۸۔

[۴] یہ دیباچہ بہت ہی نادر ہے اور کلیاتِ عرفی کے چند ہی مخطوطات کے ساتھ منسلک پایا جاتا ہے۔ راقم الحروف نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور اسے حیدر آباد سے شائع ہونے والے رسالہ ISLAMIC CULTURE میں بغرض اشاعت بھیج دیا ہے۔

[۵] میخانہ (مطبوعہ لاہور در ۱۹۲۶ء) صفحہ ۱۷۵۔

اس ضائع شدہ دیوان کے بعد بھی عرفی نے اپنے "کلامِ ناگفتہ" کو "گفتہ" کی شکل دی اور ۹۹۶ھ میں اس نے اپنا دیوان دوبارہ مرتب کیا جسے اس نے اپنا دیوانِ اول قرار دیا اور جس میں قصیدوں کی تعداد چھبیس ۲۶، غزلوں کی دو سو ستر ۲۷۰ اور اشعارِ قطعہ و رباعیات کی سات سو تھی جیسا کہ عبد الباقی نہاوندی کے متذکرہ دیباچہ کلیاتِ عرفی کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:[۵]

"..... اگرچہ مولانا مومیٰ الیہ در ایامِ حیاتِ خود دیوانے از قصیدہ و غزل و رباعی ترتیب دادہ بود و ایں رباعی کہ احاد مصرع تاریخ باعدد قصیدہ و عشرات باعدد غزل و مآت بہ ابیات قطعہ و رباعی موافق است در تاریخ آن دیوان گفتہ بود:

این طرفہ نکات سحری و اعجازی — چو گشت مکمل بہ رقم پردازی
مجموعہ طراز قدس تاریخش گفت — اول دیوان عرفی شیرازی
۹۹۶ھ

اس دیوان کی ترتیب کے بعد بھی عرفی تقریباً تین سال اور زندہ رہا اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں اس نے کافی اشعار غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی تصنیف کیے ہوں گے، پس اول دیوانِ عرفی کی ترتیب کے بعد بھی عرفی کی کلیات کی تدوین کے سلسلہ میں کافی کام باقی رہ گیا تھا لیکن نا وقت موت نے خود عرفی کو اس کام کی تکمیل کا موقع نہ دیا اور اپنے بسترِ مرگ پر اس نے اپنے اشعار کے مسودات عبد الرحیم خان خاناں کو بہ غرض ترتیب دیوان بھجوا دیئے، لیکن یہ تمام اشعار غالباً نہایت ہی پراگندہ حالت میں تھے جس کی طرف سراجا اصفہانی نے (جسے خان خاناں نے عرفی کے کلیات کی ترتیب کے واسطے مقرر کیا تھا) اپنے حسب ذیل قطعہ میں اشارہ کیا ہے:

عرفی آن واضع سخن کہ برد — رشک دارد روان شروانی
نہ کہ شروانیست در رشکش — بلکہ رونی و ہم صفاہانی
بعد چندے چو جائے بودن نیست — رفت ازین دیر ششدر و فانی
باند ازو دُرشاہوارے چند — کش قرین نیست بحری و کانی

---

[۵] احاد مصرع: ۹ = ا ذ و = ۶ ذ د = ۴ ذ و = ۶ ذ ۹ = ۱ ذ ا = ۱ ذ ز = ۷ کل اعداد = ۲۶
عشرات مصرع: ل = ۳۰ ذ ی = ۱۰ ذ ن = ۵۰ ذ ع = ۷۰ ذ ف = ۸۰ ذ ی = ۱۰ ذ ی = ۱۰ ذ ی = ۱۰ کل اعداد = ۲۷۰
مآت مصرع: ر = ۲۰۰ ذ ش = ۳۰۰ ذ ر = ۲۰۰ کل اعداد = ۷۰۰
(مآثر رحیمی جلد سوم، صفحہ ۲۹۶ پر عبد الباقی نے قصائد کی تعداد ۲۶، غزلیات کی ۲۷۰ اور ابیات قطعہ و رباعی کی ۷۰۲ بتائی ہے لیکن مندرجہ بالا ترتیب کے حساب سے اشعار قطعات و رباعیات کی تعداد ۷۰۰ ہوتی ہے نہ کہ ۷۰۲)

صورتِ چند جملہ با معنی | خلفے چند جملہ روحانی
لیک آن جملگی پراگندہ | ہمہ از بے سری و سامانی
آن قدر مہلتش نداد اجل | کہ بہ ترتیب شان شود بانی
گفت با دوستاں بہ گاہِ وداع | کے عزیزان جسمی و جانی
برسانید زادہائے مرا | بجنابِ معلمِ ثانی
بہ برکان برید کانے را | سوئے عمان برید عمانی
ہیچ دانی کہ چست آن مرکز | کہ تو عمان و کانش می دانی
دست دادی کہ می کند بہ جہان | گاہِ کانی و گاہِ عمانی
صاحبِ علم و حلم و سیف و قلم | خان خاناں سکندرِ ثانی
آن کہ در روز باری رسدش | کہ سکندر کند شش دربانی
چون کمالات را بود معدن | سزاوار عقل اولش خوانی
دید چون زادہائے عرفی را | جملہ محسود لعل پیکانی
ہمہ مانند دُر ولیک یتیم | جملہ چون رازہائے پنہانی
بعد یک چند بندہ را فرمود | کہ دہم شان نظام دیوانی
مدتے چند خونِ دل خوردم | تا کہ جمع آمد از پریشانی
ہم بہ اقبال صاحبِ کامل | ہم بہ توفیق لطفِ یزدانی
جامع انتظام این اوراق | شد سزاجائے خان خانانی
از خرد خواستم چو تاریخش | گفت "ترتیب دادہ" نادانی
۱۰۲۶

عرفی کے ان پراگندہ اشعار کو دیوان کی شکل دیئے جانے کے متعلق اس کے تین ہم عصر تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے لیکن ان تینوں کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ عبدالنبی فخرالزمانی کا بیان ہے کہ عرفی نے اپنی زندگی میں کوئی دیوان ترتیب نہیں دیا تھا اور اس کی وفات کے بعد اس کے دوستوں میں سے

ایک نے تقریباً بارہ ہزار پانچ سو اشعار کا اس کا ایک کلیات مرتب کیا۔ چنانچہ میخانہ میں وہ رقمطراز ہے کہ :[۷]

"...... بہ تحقیق پیوست کہ آن مطلع دیوان نکتہ پردازی در ایام حیات خود دیوان ترتیب نداده

فاما بعد از فوت او یکے از دوستان یک جہتی او دیوانے کہ فی الحال درمیان مردم است

مرتب ساختہ و عدد آن ہمگی از قصیدہ و غزل و مثنوی وغیرہ بہ دوازدہ ہزار پانصد بیت است

شش ہزار بیت دیگر از ابیات مرغوب عرفی در آب افتاد"

عرفی کا دوسرا معاصر تذکرہ نگار ناظم تبریزی اپنی تصنیف نظم گزیدہ میں کلیاتِ عرفی کے متعلق ایک دلچسپ قصہ بیان کرتا ہے کہ عرفی نے اپنی وفات کے وقت اپنے اشعار کے مسودات اپنے ایک نوکر کو اس ہدایت کے ساتھ حوالہ کر دیئے تھے کہ انھیں خان خاناں تک پہونچا دیا جائے اور یہ کہ یہ مسودات عرصۂ دراز تک خان خاناں کے کتب خانہ میں پراگندہ حالت میں پڑے رہے یہاں تک کہ ۱۰۰۳ھ میں خان خاناں نے ایک شخص کو کلیاتِ عرفی کی تدوین کے واسطے مقرر کیا لیکن چوں کہ اس شخص کو خان خاناں سے کسی قسم کی رنجش تھی اس لئے وہ ان مسودات کو لے کر غائب ہو گیا، ناظم کا یہ بھی بیان ہے کہ اس نے اس شخص کو کچھ عرصہ کے بعد (غالباً ۱۰۳۷ھ) میں جب وہ سفرِ حج کو گیا ہوا تھا) بندر مخا میں دیکھا اور اس سے عرفی کے اشعار کے مسودات حاصل کر کے خود عرفی کے کلیات کو مرتب کیا جس میں تقریباً پندرہ ہزار ابیات تھے۔ ناظم کی اس واقعہ سے متعلق عبارت حسب ذیل ہے :[۸]

"...... تا در سنہ ہزار و سی و سہ خان خاناں شخصے را بہ این امر برگزید کہ آن جواہر منظوم را در سلک

ترتیب منتظم سازد۔ اتفاقاً آن شخص مسودات را برداشتہ بہ سببِ آزردگی کہ از خان خاناں داشت

فرار نمود۔ فقیر در بندر مخا اورا دیدہ مسودات عرفی را خواہ مخواہ از دگرفتہ ترتیب دادہ جمع نمود

تمامی اشعار او پانزدہ ہزار بیت باشد ......"

عرفی کا تیسرا معاصر جس نے کلیاتِ عرفی کی تدوین پر روشنی ڈالی ہے عبدالباقی نہاوندی ہے۔ وہ اپنی تصنیف مآثر رحیمی میں بہ سلسلہ عرفی رقمطراز ہے کہ خان خاناں کے حکم سے محمد قاسم بن خواجہ محمد علی اصفہانی مشہور بہ سراجا

---

۷ میخانہ (طہران ایڈیشن مرتبہ احمد گلچین معانی در سنہ ۱۳۴۰ھ شمسی) صفحہ ۲۱۵۔

۸ نظم گزیدہ، صفحہ ۱۱۴۔ (مخطوطہ در مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

نے کلیاتِ عرفی ۱۰۲۶ھ میں ترتیب دیا جس پر خود اس نے ایک دیباچہ لکھا۔ یہ دیباچہ جس کے ناپید ہونے پر علامہ شبلی متاسف تھے، خوش قسمتی سے اب دستیاب ہو چکا ہے[۹] اور اس میں منجملہ دیگر اہم باتوں کے کلیاتِ عرفی کی تدوین کے بارے میں بھی کافی اہم معلومات فراہم ہیں اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ چھ ہزار اشعار کا مجموعہ ضائع ہو جانے کے بعد بھی عرفی نے ایک دوسرا مجموعۂ کلام، جسے اس نے دیوانِ اول قرار دیا، مرتب کیا تھا جس میں عرفی ہی کی ایک رباعی کے مطابق چھبیس ۲۶ قصائد، دو سو ستر ۲۷۰ غزلیں اور سات سو ۷۰۰ ابیات قطعات و رباعیات تھے، اور یہ کہ عرفی نے اپنے بسترِ مرگ سے اپنے کُل اشعار کا مجموعہ عبدالرحیم خان خاناں کو بھجوا دیا تھا اور جب خان خاناں نے اس مجموعہ کو سراجا اصفہانی کو بہ غرض ترتیبِ دیوان حوالہ کیا تو سراجا نے اس میں عرفی کے وہ اشعار بھی شامل کر دیئے جو مختلف مجموعوں اور بیاضوں میں پراگندہ پائے گئے تھے اور اس طرح عرفی کے کُل اشعار کی تعداد آٹھ ہزار ہو گئی، اس دیباچہ میں عبدالباقی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ڈیڑھ سال کی محنت کے بعد جب عرفی کا کلیات مرتب ہوا، اس وقت اس میں کل چودہ ہزار اشعار تھے۔ ترتیب کلیاتِ عرفی کے سلسلہ میں عبدالباقی کی اصل عبارت حسب ذیل ہے:

"...... و در ہنگام وداع این دار فنا مسوداتِ اشعارِ افکارِ ابکارِ خود را بہ کتاب خانہ آن عالی شان فرستاد و التماس نمود و بہ یمن ہمتِ توجہ شاہوارِ این مضمار دانش و مرکز سخن دانی از پریشانی بہ جمعیت گرایند و آن نازک نہالانِ گلزار معانی و نوبادگانِ بوستانِ (کذا) طبیعتِ این خسروشانی بدستیاریِ توجہ و تربیت بہ شیرازہ جمعیت در آیند و از این رہگذر کہ تربیت کردہ و پروردۂ این سپہ سالار باشد، صدر نشینِ محافل و مجالسِ عالمیان کردند مرتب و مدون سازند ...... و آن مسودات کہ تمامی بہ خطیدِ آن دانش پژوہ بود در کتابخانۂ عالی ایشان کہ مکتب خانہ اہلِ عرفان است مدتے بود و بعضے موانع وصیت و التماس او را در تعویق

---

[۹] اس سلسلہ میں مولانا شبلی شعر العجم، جلد سوم، صفحہ ۸۷ (طبع چہارم) پر لکھتے ہیں کہ:
"عبدالباقی نے اس پر ایک دیباچہ لکھا جس میں عرفی کے حالات اور واقعات درج کیے۔ افسوس ہے کہ یہ نسخہ اب بالکل نایاب ہے ورنہ غالباً بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ہوتیں ......"
اس دیباچہ کی تین نقلیں اب تک مجھے دستیاب ہو چکی ہیں اور ایک چوتھی کتب خانہ شوریٰ ملی، طہران میں عرفی کے ایک کلیات سے منسلک ہے جس تک ابھی میری رسائی نہیں ہوئی ہے۔

انداختہ بود تا آنکہ بتاریخ ہزار و بست و چہار ہجری حقوق خدمت و مداحی او این مقدمہ را در خاطر خطیر این سپہ سالار آوردہ و بہ وصیت آن معیارِ دانشوری عمل نمودہ بہ آن مسودات کہ ہر مصراع ازاں ماہِ آسمانِ فلک معانی و خورشید جہاں تابِ جہان سخندانی بود جیب و کنار حلقہ اہلیت و استعداد محمد قاسم خلف خواجہ محمد علی اصفہانی مشہور بہ سراجا کہ از آدمی زادگان اصفہان است گلزار معانی و گلشن جاودانی ساختند و بہ جمع و تدوینِ این زادہا طبع آن آزاد مرد کہ ہر یکے از غایت معانیِ بلند و مضامین دل پسند در عالمے نہ گنجد فرمان داد، اگرچہ مولانا موحی الیہ در ایام حیاتِ خود دیوانے از قصائد و غزل و رباعی ترتیب دادہ بود، این رباعی کہ احادِ مصرع تاریخ با عدد قصیدہ، و عشرات بہ عدد غزل، و مآت بہ ابیات قطعہ و رباعی موافق است در تاریخ آن دیوان گفتہ ؎

این طرفہ نکات سحری اعجازی چو گشت مکمل بہ رقم پردازی

مجموعہ طراز قدس تاریخش گفت اول دیوان عرفی شیرازی

بعد از اختیار نمودنِ سفرِ آخرتِ این مسافرِ عالم قدس بعضے اشعار متفرقہ ایشان کہ در سفائن و مجموعہا ثبت بود بعضے از مستعدان بر و افزودند چنانکہ قریب بہ ہشت ہزار بیت بنظر در آمد چنانکہ سراجا بہ این سعادت موفق گشتہ امتثال امر فرمود و در عرض یک سال و نیم بعد از مشقتِ بسیار کلیاتے مشتمل بر چہاردہ ہزار بیت از قصیدہ و غزل و رباعی و قطعہ و مثنوی و ترکیب و ترجیع ترتیب داد و الحق درین کار ید بیضا نمود چرا کہ آن مسودات در ہنگام مقابلہ و ترتیب گاہے سامعہ افروز راقم می گشت لغایت مشوش و ابتر بود ......"

عرفی کے ان تینوں تذکرہ نگاروں کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد النبی کا خیال ہے کہ عرفی کا کلیات اس کے دوستوں میں سے ایک نے ترتیب دیا اور یہ کہ اس کلیات میں کُل بارہ ہزار پانچ سو اشعار تھے (جن میں غالباً وہ چھ ہزار اشعار شامل نہیں تھے جن کے متعلق عبد النبی نے لکھا ہے کہ وہ ضائع ہو گئے تھے)۔

ناظم تبریزی کا کہنا ہے کہ اس نے تقریباً ۱۰۳۷ھ میں عرفی کے اشعار کے مسودے کسی شخص سے بندر مخا میں حاصل کیے اور پندرہ ہزار اشعار کا کلیات عرفی خود مرتب کیا۔

عبدالباقی نہاوندی لکھتا ہے کہ عرفی نے بسترِ مرگ سے اپنے کلام کے مسودے خان خاناں کو بھیج دیئے اور خان خاناں نے سراجا سے کلیاتِ عرفی مرتب کرایا جس میں چودہ ہزار اشعار تھے۔ اگر ان تینوں بیانات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فخرالزمانی کی اطلاع صحیح نہیں ہے اس لئے کہ عرفی خود کہتا ہے کہ اس نے اپنا ایک دیوان ترتیب دیا۔ فخرالزمانی کی یہ بات بھی غلط ہے کہ کلیاتِ عرفی میں کل بارہ ہزار پانچ سو اشعار تھے اس لئے کہ اس وقت بھی کلیاتِ عرفی کے ایسے قدیم و مستند نسخے ملتے ہیں جن میں اشعار کی تعداد بارہ ہزار پانچ سو سے زیادہ ہے۔

ناظم تبریزی کا بیان بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنے مرتب کردہ کلیاتِ عرفی کی تدوین کو ۱۰۳۳ھ کے بعد کا واقعہ لکھا ہے جبکہ عبدالباقی نہاوندی کے بقول سراجا کا ترتیب دادہ کلیاتِ عرفی ۱۰۲۶ھ میں مرتب ہوچکا تھا۔ اور جس کا سنہ ترتیب سراجا نے "ترتیب دادہ" سے نکالا تھا۔ ممکن ہے کہ سراجا کے ترتیب دادہ کلیاتِ عرفی کے بعد وہی مسودے خان خاناں کے کتب خانہ سے کوئی شخص غائب کرلے گیا ہو، اور ناظم نے انہیں بندرمخا میں اس شخص سے حاصل کرلیا ہو اور اس خیال کے تحت کہ اس وقت تک کلیاتِ عرفی مرتب نہیں ہوا۔ اس نے بھی کلیاتِ عرفی مرتب کیا ہو جس میں پندرہ ہزار اشعار ہوں لیکن اب تک کلیاتِ عرفی کے جتنے بھی نسخے میری نظر سے گزرے ہیں یا جن کا مجھے علم ہے ان میں اشعار کی تعداد پندرہ ہزار سے کہیں کم ہے اور ان میں کوئی ایسی تحریر بھی نہیں پائی جاتی جس سے ثابت ہوسکے کہ وہ ناظم تبریزی کے مرتب کردہ کلیاتِ عرفی کی نقل ہیں۔ جہاں تک عبدالباقی کے بیان کا تعلق ہے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اسے معتبر نہ سمجھا جائے اور سراجا کے مرتب کردہ دیوانِ عرفی ہی کو اصل کلیاتِ عرفی نہ سمجھا جائے۔ اوّل تو یہ کہ خان خاناں اور عرفی کے تعلقات کچھ ایسے ہی تھے کہ عرفی کو اپنے کلام کے مسودات کا سوائے خان خاناں کے اور کسی دوسرے شخص کے حوالہ کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا، ان دونوں کے تعلقات ایک ممدوح و مدّاح کے نہ تھے بلکہ دو جگری دوستوں کے تھے، چنانچہ خان خاناں اپنے خطوط میں عرفی کو "یارِ فطنت و دوستِ نطرت" کے القاب سے یاد کرتا ہے۔ اور عرفی بھی اس کے دربار میں ایک مصاحب کی طرح نہیں بلکہ ایک بے تکلف دوست کی طرح تمام درباداری کے لوازم سے بے نیاز بے تکلف جاتا تھا جیسا کہ عبدالباقی نہاوندی معاصرِ رحیمی میں لکھتے ہیں کہ:

"چنانکہ در ایام ملازمت کورنش و تسلیم بصاحبِ خودنمی کرد و بہر طرز و روشے کہ می خواستہ در مجالس می نشستہ ...."

عرفی کا خان خاناں کی مدح کا انداز بھی محض ایک خیر اندیش دوست کی سچی تعریف سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔ کہ وہ اپنے ایک مشہور قصیدہ میں خان خاناں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے:

بدرویشی ثنائے خان خاناں می کنی آرے ۔۔۔ خوشامد گو نہ تاروئے حشمت درمیان بینی

دعائے تو بہ رسم مدحت اندیشاں نمی گویم ۔۔۔ کہ یارب تا فلاں باشد تو بہمان و فلان بینی

تو خیر اندیش خلقی پس چنیں باید دعائے تو ۔۔۔ کہ یارب آنچہ بہرِ خلق اندیشی ہمسان بینی

اس کے علاوہ ناظم تبریزی کے بیان سے کم از کم اتنی تو تصدیق ہو ہی جاتی ہے کہ عرفی کے کلام کے مسودے خان خاناں کو بھیجے گئے، دوم یہ کہ جس شخص کو خان خاناں نے عرفی کے کلیات کی ترتیب کے لئے مقرر کیا تھا وہ خود صاحبِ فن تھا۔ اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اس نے کلیاتِ عرفی کی تدوین میں کسی قسم کی بے احتیاطی برتی ہوگی خصوصاً جبکہ اُسے خان خاناں کی بدولت تمام وسائل حاصل تھے اور یہ بھی معلوم تھا کہ خان خاناں کلیاتِ عرفی کی تدوین میں ذاتی دلچسپی رکھتا ہے۔ سوم یہ کہ سراجا کا مرتب کیا ہوا عرفی کا کلیات خود خان خاناں کی نظر سے گزرا اور اسے اس نے پسند کیا اور سراجا کو انعام و اکرام سے نوازا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خان خاناں سراجا کے کام سے مطمئن تھا اور سمجھتا تھا کہ عرفی کا کلیات اس کی حسب مرضی ٹھیک طرح سے مرتب ہوا ہے۔ اگر کلیاتِ عرفی کی تدوین میں کچھ بھی بد احتیاطی سراجا سے سرزد ہوتی تو وہ خان خاناں کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہتی، چوتھے یہ کہ عبدالباقی خود سراجا کے ترتیب دادہ کلیاتِ عرفی سے متعلق تھا۔ اور اشعار کی ترتیب و مقابلہ کے وقت کبھی کبھی وہ بھی موجود رہا کرتا تھا جیسا کہ وہ اپنے دیباچۂ کلیاتِ عرفی میں لکھتا ہے کہ:

"در ہنگام مقابلہ و ترتیب گاہے سامعہ افروز راقم گشت"

اور اس کی اس بات کی شہادت کہ کلیاتِ عرفی سراجا نے ٹھیک طرح ترتیب دیا بہت کافی وزن رکھتی ہے۔ پانچویں یہ کہ جیسا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اور عبدالباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی میں لکھا ہے۔[۱۰]

---

[۱۰] مآثر رحیمی، جلد سوم، صفحہ ۲۹۳ پر اس ضمن میں حسب ذیل عبارت ہے: "و ایں طور شہرتے کہ او را بہم رسیدہ ہیچ یک از امثال و اقران او را بہم نہ رسیدہ و نخواہد رسید۔ چہ امثال و اقران کہ استادان و سخنوران ماضیہ مثل خاقانی و انوری و سعدی و شیخ نظامی را در زمان حیات این اشتہار در قصیدہ و غزل و مثنوی نبودہ۔ شہرت او بجائے رسیدہ بود کہ دیوان غزلیات و قصائد او را سخن سنجان و نکتہ دانان تعویذ دار بر بازو خود بستہ شب و روز با خود ہمراہ می داشتند و تمامی اشعار آبدارش در صفائح خواطر خاص و عام منقوش و مسطور ....." اور اسی سلسلہ میں ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ، جلد سوم، صفحہ ۲۸۵ پر عرفی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:
"او و حسین ثنائی از شعر عجب طالع دارند کہ ہیچ کوچہ و بازار نیست کہ کتاب فروشان دیوان ہر دو کس را در سر راہ گرفتہ نایستند و عراقیان و ہندوستانیان نیز بہ تبرک می خرند ....."

عرفی کا کلام اس قدر مقبول تھا کہ اس کے نسخے ہر کوچہ و بازار میں ملتے تھے اور لوگ اس کے دیوان کو تعویذ کی طرح سے ہر وقت حرزِ بازو بنائے رکھتے تھے اور عرفی کے کلیات کی تدوین کے وقت بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جنھوں نے نہ صرف عرفی کو دیکھا تھا بلکہ اس سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتے تھے، اس کے کلام کی اس مقبولیت کے بعد یہ ناممکن تھا کہ اگر کلیاتِ عرفی میں سراجا نے الحاقی اشعار داخل کر دیئے تھے تو ان کی طرف لوگوں کی توجہ نہ جاتی اور خان خاناں کو اس سے مطلع نہ کیا جاتا۔ جہاں تک عبدالباقی نہاوندی کے اس بیان کا تعلق ہے کہ کلیات ترتیب دیتے وقت بیاضوں وغیرہ میں پراگندہ اشعار کو شامل کرنے کے بعد بھی ابتدا میں عرفی کے دیوان میں کل آٹھ ہزار اشعار تھے لیکن ڈیڑھ سال کے بعد جب کام مکمل ہو گیا اس وقت اشعار کی تعداد چودہ ہزار تک پہونچ گئی، اس میں حقیقتاً کسی قسم کا تضاد نہیں ہے اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کیوں کہ عرفی کے چھ ہزار اشعار ضائع ہو گئے تھے اس لئے سراجا نے چھ ہزار الحاقی اشعار کلیاتِ عرفی میں داخل کر دیئے۔[۱۱] بلکہ یہ بیان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عرفی کے چھ ہزار اشعار کا گم شدہ دیوان بھی سراجا کو مل گیا تھا اور ان اشعار کو شامل کرنے کے بعد کلیاتِ عرفی میں اشعار کی تعداد چودہ ہزار ہو گئی تھی، ان گم شدہ اشعار کے مل جانے کی تصدیق شاہنواز خاں نے بھی "بہارستانِ سخن" میں کی ہے۔[۱۲]

مزید برآں یہ کہ عرفی کے ایک خط سے جو راقم الحروف کو خدا بخش لائبریری پٹنہ کی ایک قدیم بیاض میں دستیاب ہوا ہے اور جس کا عنوان ہے :

---

۱۱ اس خیال کا اظہار آقا محمد علی داعی الاسلام، سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد نے اپنے کتابچہ "شعر و شاعری عرفی"، (مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۴۵ھ) میں کیا ہے اور اسی خیال سے استاد محترم سید یوسف حسین صاحب موسوی، سابق صدر شعبہ فارسی و اُردو لکھنؤ یونیورسٹی، نے بھی اپنی تصنیف "ارمغانِ شیراز" میں اتفاق فرمایا ہے، اس کے ثبوت میں دونوں حضرات نے کلیاتِ عرفی میں پست اشعار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میرے خیال میں کسی بھی دیوان میں پست اشعار کے شمول سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اس شاعر کا کلام نہیں ہے۔ ہر شاعر بلند اور پست دونوں قسم کے شعر کہتا ہے اور بقول غنی کشمیری

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست   در ید بیضا ہمہ انگشتہا یک دست نیست

۱۲ بحوالہ "شعر العجم"، جلد سوم، صفحہ ۹۸۔

"رقعۂ عرفی شیرازی در جواب یکے از اصحاب استعداد کہ مجموعہ اشعارش را عاریت خواستہ گم کردہ بود"

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عرفی کا گم شدہ دیوان کسی ذمہ دار شخص کو عاریتاً دیا گیا تھا اور اس سے اتفاقاً ضائع ہوگیا جس کی اس نے عرفی کو بذریعہ خط خبر کی، یہ ایک بدیہی امر ہے کہ "اصحاب استعداد" میں (خصوصاً عرفی کے سے نازک مزاج کے دوستوں میں) کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنے پاس سے کسی دوسرے شخص کی ایک اہم امانت کے ضائع ہونے کے بعد اس کی تلاش نہ کرے۔ لہٰذا ان حالات میں عرفی کے گم شدہ دیوان کا اس کی کلیات کی ترتیب کے وقت دستیاب ہوجانا قطعاً بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ عرفی نے اپنے اسی رقعہ میں اپنا حسب ذیل شعر بھی نقل کیا ہے ؎

من کہ از کشتہ شدن ہم دلم آرام نیافت — جائے آن نیست کہ منت کش قاتل باشم

جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ غزل جس میں یہ شعر شامل ہے عرفی کے مجموعہ اشعار کے تلف ہونے سے پہلے کہی گئی۔ یہ غزل نہ صرف عرفی کے دیوان کے مخطوطات میں عموماً ملتی ہے بلکہ اس کے شائع شدہ دیوان اور کلیات میں بھی موجود ہے [۱۳] جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ عرفی کا تلف شدہ کلام اس کے کلیات کی تدوین کے وقت دستیاب ہوچکا تھا اور اسے سراجا کے ترتیب دیئے ہوئے مستند کلیات میں شامل کرلیا گیا تھا۔

(باقی)

---

[۱۳] اس کا مطلع حسب ذیل ہے :-

تابکے ہمرہ اندیشۂ باطل باشم — وز دیار طرب آوارہ تر از دل باشم

اور یہ دیوانِ عرفی مطبوعہ نول کشور پریس کے صفحہ ۱۵۷ پر اور کلیات عرفی مرتبہ غلام حسین جواہری کے صفحہ ۱۴۷ پر درج ہے۔

نیل سے فرات تک • از ڈاکٹر محمد اقبال صاحب انصاری

مصنف کے ان خطوط کا مجموعہ جو مصر، لبنان، شام، اردن، حجاز، عراق اور یروشلم سے لکھے گئے، عرب دنیا کی ہلچل، ان کی کامرانیاں اور مایوسیاں، ان کی معاشرت اور سوچ بچار وغیرہ۔ عرب دنیا میں، خاص کر مصر میں قیام کے دوران مصنف کا اردو دنیا کو ایک دستاویزی تحفہ۔

ضخامت ۱۸۴ صفحات ❊ قیمت مجلد ۳/-

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶